اجتہاد تنزیلی کا مفہوم اور فقہ حنفی میں اس کے اصول وضوابط

The meaning of Ijtihad Tanzeeli (Applied Ijtihad) and its principles in Hanafi jurisprudence

محمد انور*

حافظ عبدالباسط خان**

Abstract

The Islamic *Sharī'ah* is the permanent, comprehensive, universal *Sharī'ah* and the source of guidance after abrogation of all the previous *Sharī'ah*s. It contains complete guidance for all aspects of life. Allah Almighty has laid down such principles and rules in the *Sharī'ah* that make it practicable for every time and place. *Ijtihād* guarantees the perpetuation of Islamic law. The concept of ijtihad was previously limited to ijtihad in devising judgment. But now, the discretionary process comprises of two stages was getting to be progressively imperative from one other and counted incomplete without the other one which is diligence and hard deductive application. Other than that, Altenzili diligence is to be studied on the second level of the study.In Hanafi Jurisprudence, there are two types of principles of Ijtihad Tanzeeli. One is that which we interpret as the principle of Ifta ', which is used by the Muftis to perform the duty of Shariah guidance in the traditional *Dār-ul-Iftā*. Others are the principles by which the mujtahids per se have differentiated and argued the details and subdivisions in their books. And even in modern times, Jurists have devised many new principles by viewing the significance of some pertinent issues of collective nature, and are carrying out the duty of implementing and releasing the rules.This article will introduce the concept of Ijtihad Tanzeeli and its two types of principles.

Keywords: Perpetuation of Islamic law, Diligence, Discretionary process.

شریعتِ اسلامیہ سابقہ تمام شریعتوں کے لیے ناسخ، دائمی، جامع اور عالمگیر شریعت ہے اس میں زندگی کے تمام گوشوں سے متعلق مکمل رہنمائی موجود ہے ۔ جیسا کہ علماء شریعت نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ:

"ان الشریعة الاسلامیة دائمة صالحة لکل زمان و مکان" "شریعتِ اسلامیہ ہر زمان و مکان میں قابلِ عمل و قابلِ تنفیذ رہتی ہے۔"[1]

---

* ڈاکٹرل کینڈیڈیٹ، شیخ زید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔

** ایسوسی ایٹ پروفیسر، شیخ زید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔

[1] وھبہ بن مصطفی الزحیلی، **الفقہ الاسلامی وادلتہ**، (دمشق: دار الفکر)، ۴: ۳۲۲۰

نصوصِ شرعیہ محدود اور متناہی ہیں جن کی روشنی میں لامحدود مسائل اور واقعاتِ زمانہ کا شرعی حکم تلاش کرنا اجتہاد ہی کے ذریعے ممکن ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اجتہاد کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔ اجتہاد شریعتِ اسلامیہ کے خلود و دوام کا ضامن ہے۔

ابتدا میں فقہاء کرام نے قرآن و سنت سے استنباطِ احکام کے اصول وضع کئے، بعد میں انہی اصولوں کی روشنی میں احکام کا استنباط کر کے انہیں جزئیات و واقعات پر منطبق کرتے ہوئے ہر زمان و مکان میں مسائل کے حل کے لیے شرعی رہنمائی کا فریضہ سر انجام دیتے رہے ہیں۔ تبدیلی زمان و مکان کی وجہ سے تنزیلِ احکام میں مختلف تبدیلیاں آتی رہی ہیں، جو ہنوز جاری ہیں۔ چنانچہ استنباط اور تطبیق کے اعتبار سے اجتہاد کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ اجتہادِ استنباطی ۲۔ اجتہاد تنزیلی

اجتہاد استنباطی:

اجتہاد کی وہ نوع ہے جس میں دلائل و نصوصِ شرعیہ سے احکامِ شرعیہ کے استنباط و استخراج کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

اجتہاد تنزیلی یا اجتہاد تطبیقی:

اجتہاد کی وہ قسم ہے جس میں مستنبط احکامِ شرعیہ کو واقعات اور جزئیات پر منطبق کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔[2]

جیسا کہ شیخ ابو زہرہ نے بعض اصولیین کی طرف سے اجتہاد کی تعریف کرتے ہوئے ان دونوں اقسام کو بیان کیا ہے۔

چنانچہ اجتہاد کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ویعرف بعض العلماء الاجتہاد فی اصطلاح الاصولیین، بانه استفراغ الجهد وبذل غاية الوسع اما فی استنباط الاحكام الشرعية واما فی تطبيقاتها وكان الاجتهاد على هذا التعريف قسمين: احدهما خاص باستنباط الاحكام وبيانها والقسم الثانی خاص بتطبيقها:

"بعض علماء نے اصولیین کی اصطلاح میں اجتہاد کی تعریف یوں بیان کی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ شرعی احکام کے استنباط و استخراج کے لیے یا ان احکام کی تنزیل و تطبیق (Application) کے لیے اپنی قوت اور

---

[2] فرحان علی احمد، **الاجتهاد التنزيلی مفهومه، عناصره واصوله**، مجلة كلية القانون للعلوم القانونية والسياسية، ۸

حد درجہ صلاحیت کو کھپا دینا۔اس تعریف کی رو سے اجتھاد کی دو قسمیں ہوں گی، ایک قسم وہ جو خاص ہے استنباط احکام کے ساتھ، جبکہ دوسری قسم احکام کی تطبیق (Application) کے ساتھ خاص ہے۔"[3]

اسی طرح شیخ عبد اللہ دراز اور مولانا تقی امینی اجتھاد کی تعریف امام شاطبی کے حوالے سے لکھتے ہیں:استفراغ الجهد وبذل غاية الوسع اما في درك الاحكام الشرعية واما في تطبيقها[4]

"شرعی احکام کے ادراک یا انکی تطبیق و تنزیل (Application) میں ہر ممکن حد تک اپنی پوری قوت کو لگانا اور تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لانا اجتھاد کہلاتا ہے۔" اجتھاد کی اس قسم کے لیے تنزیل کا لفظ سب سے پہلے امام سیوطیؒ نے استعمال کیا چنانچہ لکھتے ہیں کہ:

وان خاضوا تنزيل الفقه الكلي على الموضع الجزئي فذالك يحتاج الى تبصر زائد على حفظ الفقه وادلته[5]

"اگر فقہاء کرام فقہ کلی کو جزئیات پر منطبق کرنے میں مشغول ہوں تو فقہی مسائل اور انکے دلائل کے حفظ کے ساتھ ساتھ وہ گہری بصیرت کے بھی محتاج ہوں گے۔"

عام طور پر اصولین نے اپنی کتبِ اصول فقہ میں استنباطِ احکام کے اصول تو بیان کیے ہیں، لیکن تنزیل احکام کے اصولوں کو اہتمام کے ساتھ بیان نہیں کیا یہ اصول ہمیں مجتہدین فی المذہب کی فروعات وفقہی جزئیات پر مشتمل کتب میں ملتے ہیں جو کے مختلف ادوار میں وجود میں آتے رہے ہیں اور تطبیق احکام کے لیے ان کو بروئے کار لایا گیا ہے۔

اجتھاد تنزیلی کا لغوی واصطلاحی مفہوم:

اجتہاد تنزیلی مرکب توصیفی ہے، اجتہاد باب افتعال کا مصدر ہے جس کا مادہ جھد ہے جو جیم کے فتحہ اور ضمہ دونوں کے ساتھ منقول اور مستعمل ہے۔اس کے معنیٰ مقدور بھر کوشش کرنے کے ہیں مقدور بھر کوشش کسی

---

[3] ابوزھرۃ، محمد، **اصول الفقه**، (دار الفکر العربی)، ۳۷۹

[4] مولانا تقی امینی، **اجتھاد**، (کراچی: قدیمی کتب خانہ، س ن)، ۲۴۱؛ الشاطبی، ابراھیم بن موسی بن محمد، **الموافقات**، تحقیق: ابوعبیدۃ بن حصن ال سلیمان، (دار عفان ۱۹۹۷م) جز۱۱، ۵

[5] السیوطی، جلال الدین، عبدالرحمن بن ابو بکر، **الرد علی من اخلد الی الارض مکتبة الثقافیة الدینیة**، ۱۰۲

ایسے کام میں ہی ہو سکتی ہے جو مشقت اور کلفت کا متقاضی ہو، اسی لیے امام غزالی کے بقول وزنی پتھر اٹھانے کیلئے اجتھد بولا جاتا ہے، رائی کے دانوں کو اٹھانے کیلئے اجتھد استعمال نہیں ہوتا۔[6]

اجتہاد کی بہت سی تعریفات اصولیین نے بیان کی ہیں لیکن اجتہاد تنزیلی کے لحاظ سے سب سے جامع تعریفات شیخ ابوزہرہؒ اور شیخ عبد اللہ درازؒ کی ہیں جو ما قبل مذکور ہیں۔

"التنزیلی، تنزیل بابِ تفعیل کا مصدر ہے جس کا مادہ نزل ہے جس کے لغوی معنیٰ ہیں کسی خاص چیز کو ترتیب دے کر اسے اس کے مرتبے پر رکھنا، کسی چیز کو بلندی سے پستی کی طرف بتدریج اتارنا، حاصل معنی یہ ہوا کہ کسی خاص چیز کو ترتیب کے ساتھ درجہ بدرجہ اس کے مرتبہ پر اتارنا۔"

اصطلاحی مفہوم:

متقدمین اصولیین کے ہاں ہمیں اجتہاد تنزیلی کی اصطلاح اور اس کی تعریف نہیں ملتی البتہ اس کی صورتیں اور اصول فقہی ذخیرہ میں متفرق مقامات پر منتشر صورت میں موجود ہیں۔ البتہ معاصر فقہاء کرام ومتاخرین اصولیین نے اجتہاد تنزیلی کی متعدد تعریفیں کی ہیں جو درج ذیل ہیں:

ورقیہ عبد الرزاق کے ہاں اجتہاد تنزیلی کی تعریف: هو بذل الجهد للتوصل الى تنزيل احكام الشريعة على الوقائع الجزئية[7]

"وہ انتہائی کوشش اور سعی بلیغ جو جزئی واقعات پر احکامِ شرعیہ کی تنزیل تک پہنچنے کی لیے کی جائے۔"

دوسری تعریف: هو بذل المجتهد الوسع لتنزيل حكم شرعي على واقعة معينة بصورة يفضى فيها هذا التنزيل الى المقصد الشرعي من الحكم المنزل[8]

"مجتہد کی وہ انتہائی کوشش جو معینہ واقعہ پر حکم شرعی کی تطبیق کے لیے کی جائے، بایں صورت کہ یہ تطبیق نازل شدہ حکم کے مقصد شرعی کے حصول کا ذریعہ ہو۔"

---

[6] الغزالی، ابو حامد محمد بن محمد، **المستصفیٰ من علم الاصول**، (کراچی، ادارۃ القرآن ۱۴۰۷ھ)، ۲: ۱۰۱

[7] ورقیۃ عبد الرزاق، **ضوابط الاجتھاد التنزیلی**، دار لبنان، ۲۸

[8] ایضاً

ڈاکٹر فرحان احمد علی نے درج ذیل الفاظ میں تعریف کی ہے:

بذل المجتهد وسعه فی تطبیق الاحکام الشرعیه المنصوص علیهااوالمستنبطة علی الوقائع المشخصة بما یحقق المقصد الشرعی من الحکم[9]

"مجتہد کی احکام شرعیہ منصوصہ اور مستنبطہ کو جزئی واقعات پر منطبق کرنے کے لیے انتہائی کوشش جس کے نتیجے میں حکم شرعی میں مقصدِ شریعت کا تحقق ہو۔"

ان تعریفات کا مفہوم یہ ہے کہ حکم شرعی کو واقعہ معینہ یا جزئی واقعات پر ایسے طریقے سے منطبق کرنے اور مرتب کرنے کے لیے مقدور بھر کوشش، جس سے مقاصدِ شریعت کا تحفظ اور تحقق ہو، اجتہاد تنزیلی کہلاتا ہے۔ اجتہاد تنزیلی کی تعریف کا حاصل یہ ہے کہ مستنبط حکم شرعی کو پیش آمدہ واقعات و جزئیات پر اس طرح منطبق کرنا جس سے مقاصد شریعت کا تحفظ ہو کیونکہ تمام احکامِ منزل بھی بندوں کے مصالح کے خاطر ہی نازل کیے گئے ہیں اور اجتہاد تنزیلی کا عام طور پر دائرہ کار احکام مؤولہ ہیں ان میں بھی مقاصد شریعت کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے۔ چنانچہ اجتہاد تنزیلی کی تفہیم کے لیے مقاصد شریعت، احکام منزل اور احکام مووّل کا مختصراً تعارف درج ذیل ہے۔

شریعت اسلامیہ کے مسائل دوطرح کے ہیں، شرع منزل اور شرع مؤول۔

شرع منزل: یہ ان احکامات شرعیہ کا نام ہے جو قرآن و سنت کی صریح نصوص میں مذکور ہیں، یہ اپنے الفاظ و معانی کے اعتبار سے دائمی ہیں، زمان و مکان کی ہزار تبدیلیوں کے باوجود ان میں تبدیلی واقع نہیں ہوتی، کیوں کہ یہ احکامات اس ذات کے عطا کردہ ہیں جس کا علم تمام عالم کی جزئیات کو محیط ہے۔ اس لیے اس نے جو بھی حکم جاری کیا ہے، وہ ماضی اور مستقبل کے تمام امور کو پیش نظر رکھ کر جاری کیا ہے۔

شرع مؤول: یہ وہ احکامات ہیں جو نصوص میں صریح مذکور نہیں بلکہ فقہاء نے اجتہاد کرکے ان کا استنباط کیا ہے۔ ان میں تغیر اور تاویل کا امکان ہوتا ہے، زمانہ مستقل میں پیش آمدہ جدید صورتوں کا حکم قدیم فقہاء کرام کی عبارات سے کیا جاسکتا ہے اور ان میں زمان و مکان، عرف وعادۃ وغیرہ کی وجہ سے تبدیلی بھی کی جاسکتی ہے۔[10]

---

[9] فرحان احمد علی، الدکتور، **الاجتهاد التنزيلي مفهومه وعناصره واصوله**، مجلة كلية القانون للعلوم القانونية والسياسية، ۸

[10] ابولبابہ مفتی شاہ منصور، **آداب فتویٰ نویسی**، (کراچی: الحجاز، ۲۰۱۶)، ۷۷

مقاصد شریعت: اصولِ فقہ کے ذیلی مباحث میں ایک اہم بحث "احکامِ شریعت کے مقاصد اور اس کے مدارج" کی بھی آتی ہے۔ متقدمین کے ہاں انہیں مصالح مرسلہ یا مصالح العباد کی اصطلاح سے تعبیر کیا گیا ہے۔ علامہ شاطبیؒ نے اپنی مشہور و معروف تصنیف "الموافقات" میں (جو اصولِ فقہ اور اسرار و رموزِ شریعت کی جامع کتاب ہے)، مقاصد شریعت کے عنوان پر احسن اور عمدہ انداز میں بہت زیادہ تفصیل سے روشنی ڈالی ہے؛ ان کے مطابق شریعت کے تمام احکام میں مقاصد اور مصلحتوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اور تمام شرعی احکام ضروریات، حاجیات اور تحسینیات کے گرد دائر ہیں شریعت کے تمام احکام منزلہ میں غور و خوض سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام احکام میں مصالح العباد اور مقاصد شریعت کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ یہ مقاصد شریعت اسلامی کی روح ہیں بلکہ بنیادی اصولوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔[11]

وہ مصالح العباد یا مقاصد جن کو شریعت میں ملحوظ رکھا گیا ہے ان کی علماء اصولیین نے استقرائی طور پر تین اقسام یا مراتب بیان کئے جو درج ذیل ہیں:

۱۔ضروریات ۲۔حاجیات ۳۔تحسینیات

ضروریات: وہ ایسے امور ہیں جن پر آدمی کی دینی و دنیوی زندگی کا انحصار ہے اور ان میں بگاڑ واقع ہونے سے دنیوی حیات کے بگڑنے اور منتشر ہونے کے ساتھ ساتھ اخروی زندگی بھی تباہ ہو جاتی ہے اور انسان ثواب اور راحت کے بجائے گناہ اور عذاب کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

ضروریات کے ضمن میں پانچ امور کی حفاظت کو شریعت کا مقصود و مطلوب قرار دیا گیا ہے جو باترتیب مراتب درج ذیل ہیں:

۱۔حفظ الدین ۲۔حفظ النفس ۳۔حفظ العقل ۴۔حفظ النسل ۵۔حفظ المال

ان ضروریات کا تذکرہ امام غزالی نے درج ذیل الفاظ میں کیا ہے:

وَمَقْصُودُ الشَّرْعِ مِنَ الْخَلْقِ خَمْسَةٌ: وَهُوَأَنْ يَحْفَظَ عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ، وَنَفْسَهُمْ، وَعَقْلَهُمْ، وَنَسْلَهُمْ، وَمَالَهُمْ، فَكُل مَايَتَضَمَّنُ حِفْظَ هَذِهِ الأُصُول الْخَمْسَةِ فَهُوَمَصْلَحَةٌ، وَكُل مَايُفَوِّتُ هَذِهِ الأُصُول فَهُوَمَفْسَدَةٌ، وَدَفْعُهَا مَصْلَحَةٌ"[12]

---

[11] **الموافقات:** ۲: ۳۴-۳۶

[12] الغزالي، أبو حامد محمد بن محمد، **المستصفى في علم الأصول**، تحقيق: محمد عبد السلام عبد الشافي، (بيروت: دار الكتب العلمية، ۱۴۱۳ھ-۱۹۹۳م)، ۱: ۱۷۴

”شریعت کے مقاصد مخلوق کے بارے میں پانچ ہیں اور وہ یہ ہیں کہ حفاظت کی جائے ان کے دین انکی جان انکی عقل انکی نسل اور انکے مال ومتاع کی۔ چنانچہ ہر وہ امر جو ان پانچ اصولوں کی حفاظت کی ضمانت دے وہ مصلحت ہے اور ہر وہ چیز جو انکی حفاظت میں خلل انداز ہو گی اسے مفسدہ قرار دیا جائیگا اور اس کو دور کرنا مصلحت شمار ہو گا۔“

حاجیات: یہ ایسے امور ہیں جن کی حاجت تنگی کو ختم کرنے اور حرج ومشقت کو دور کرنے کے لیے پیش آتی ہے۔ اگر ان کو ملحوظ نہ رکھا جائے تو انسانی زندگی مشکلات اور تنگی کی وجہ سے اجیرن ہو جائے۔ لیکن اس قدر بگاڑ پیدا نہ ہو جو ضروریات کو نظر انداز کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ حاجیات کا دائرہ کار میں بھی ضروریات کی طرح زندگی کے تمام شعبے عبادات، عادات، معاملات، معاشرت اور جنایات وغیرہ سب شامل ہیں۔

چنانچہ عبادات میں اس کی مثال وہ رخصتیں ہیں جو حرج اور تنگی لاحق ہونے کے اندیشہ کے پیشِ نظر مکلفین کو شریعت کی طرف سے عنایت کی گئی ہیں، جیسے بیماری اور حالتِ سفر میں عبادات سے متعلق بہت سی رخصتیں عطا کر کے مشقت کا ازالہ کیا گیا ہے۔ عادات میں اس کی مثال شکار کا حلال ہونا، پاکیزہ اور حلال اشیاء (ماکولات، لباس، رہائش اور سواری کے جانور) سے استفادہ کا مباح ہونا ہے۔ معاملات میں اس کی مثال عقدِ مضاربت، مساقاۃ اور بیع سلم وغیرہ کا جائز ہونا ہے۔ جنایات میں اس کی مثال عاقلہ پر دیت کا وجوب اور تلف شدہ مال کے ضمان واجب ہونا ہے۔[13]

تحسینیات: مصالح العباد کا تیسرا درجہ ہے اس کا مرتبہ اگرچہ ضروریات اور حاجیات کے مقابلے میں کم ہے لیکن اس کا شمار ان امور میں ہوتا ہو، جس کو تحسین وتزئین کے لیے اختیار کیا جاتا ہے اور عادات ومعاملات میں جس کی رعایت مستحسن سمجھی جاتی ہے۔ جیسا کہ امام شاطبی لکھتے ہیں کہ ” اس سے مراد عمدہ اخلاق اور اچھی عادتوں کو اپنانا اور برے اخلاق واحوال سے پرہیز کرنا ہے جن کو طبائع سلیمہ ناپسند کرتی ہیں اور ان سب کے مجموعہ کو محاسن اخلاق سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، عبادات میں اس کی مثال ناپاکی کو زائل کرنا صفائی اور پاکیزگی کا حصول ہے۔ اسی طرح ستر کو چھپانا، زیب وزینت وآرائش اختیار کرنا، نفلی عبادات اور نفلی صدقات وخیرات کے ذریعہ اللہ تعالی کی رضا اور قرب حاصل کرنے کی کوشش کرنا عبادات میں تحسینیات کی مثالیں ہیں۔ عادات میں اس کی مثالیں کھانے پینے

---

[13] شاطبی، إبراهيم بن موسى بن محمد اللخمي الغرناطي المتوفى: ۷۹۰ھ؛ **الموافقات**، تحقيق أبو عبيدة مشهور بن حسن آل سلمان، (عفان: دار ابن، ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۷)، ۲: ۲۲۔۲۳

کے آداب کا خیال رکھنا، نجس اور خبث اشیاء سے مکمل پرہیز کرنا، فضول خرچی اور کنجوسی سے اجتناب کرنا ہیں۔ معاملات میں اس کی مثال نجس اشیاء کی تجارت کی ممانعت ہے اور جنایات میں اس کی مثال دوران جہاد دشمن کی خواتین، بچوں اور مذہبی رہنماؤں کے قتل کی ممانعت ہے۔"[14]

شریعت اسلامیہ کو ہر دور میں قابل عمل و قابلِ تنفیذ بنانے اور مقاصد شریعت کے تحفظ کے لیے اجتھاد تنزیلی کو فقہاء کرام نے بروئے کار لاتے ہوئے تمام مسائل کا شرعی حل امت اسلامیہ کے لیے پیش کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ کسی بھی دور میں جب کوئی واقعہ یا مسئلہ شرعی حکم معلوم کرنے کے لیے فقہاء کرام سے پوچھا جاتا ہے تو وہ مسئلہ درج ذیل صورتوں میں کسی ایک میں سے ہوتا ہے۔

۱۔ صورۃِ مسئولہ منصوص علیھا مسائل میں سے ہو یعنی احکام منزلہ میں سے ہو۔

۲۔ صورۃِ مسئولہ غیر منصوص علیہا مسائل یعنی نصوص سے مستنبط مسائل سے ہو۔

۳۔ صورۃِ مسئولہ فقہاء کرام کے اجتھادات میں سے ہو۔

۴۔ صورۃِ مسئولہ مذکورہ تینوں میں نہ ہو بلکہ جدید مسئلہ ہو۔

ان تمام صورتوں میں سب سے پہلے واقعہ یا صورۃ مسئولہ کا مکمل فہم حاصل کیا جاتا ہے جسے فقہاء کرام "فقہ الواقع" سے تعبیر کرتے ہیں، اس کے بعد احکام منصوصۃ، احکام مستنبطۃ اور فقہاء کرام کے فقہی اجتھادات کی روشنی میں شرعی حکم معلوم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حکم شرعی معلوم کرنے کے بعد حکم کو واقعہ پر منطبق کیا جاتا ہے۔

جیسا کہ امام ابنِ قیمؒ فرماتے ہیں کہ مفتی اور قاضی فتویٰ اور شرعی حکم کے حصول کے لیے دو طرح کا اجتھاد کرتا ہے، آپ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

ولا يتمكن المفتي ولا الحاكم من الفتوى والحكم بالحق إلا بنوعين من الفهم: أحدهما: فهم الواقع والفقه فيه واستنباط علم حقيقة ما وقع بالقرائن والأمارات والعلامات حتى يحيط به علما والنوع الثاني: فهم الواجب في الواقع وهو فهم حكم الله الذي حكم به في كتابه أو على

---

[14] **الموافقات**، ۲: ۲۲

لسان رسوله في هذا الواقع ثم يطبق أحدهما على الآخر فمن بذل جهده واستفرغ وسعه في ذلك لم يعدم أجرين أو أجر[15]

"مفتی اور حاکم درست فتویٰ اور درست حکم دو چیزوں کے فہم کے بغیر نہیں دے سکتے، ان میں سے ایک "فہم الواقع اور فقہ الواقع" ہے، یعنی جو واقعہ پیش آیا ہے اس کے تمام قرائن اور علامات کے ساتھ اس کی حقیقت کے علم کا استنباط تاکہ واقعہ یا حادثہ کا مکمل فہم حاصل ہو جائے، اور دوسری نوع: واقعہ میں حکم شرعی کا فہم ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں یا اپنے رسول ﷺ کی زبان سے اس واقعہ میں کیا حکم ارشاد فرمایا ہے، اس کے بعد (مفتی و قاضی) دونوں میں سے ایک کو دوسرے پر منطبق کرے گا پس جس نے اپنی انتہائی کوشش اس عمل میں صرف کی وہ دو اجروں یا ایک اجر سے محروم نہیں رہے گا۔"

اسی طرح فقیہ العصر مفتی محمد تقی عثمانی مد ظلہ اہلیت افتاء کی شرائط بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

انه لا يكفي للمفتي ولو كان ناقلا ان يعرف القول الصحيح الراجح المروى عن المجتهد وانما يحتاج بعد ذلك الى تنزيل ذالك القول على الواقعة الجزئية التي سئل عنها. و يجب لذالك الفهم الصحيح والملكة الفقهية. .وهذا النوع من الاجتهاد جار الى يوم القيامة[16]

"مفتی اگرچہ صرف ناقل ہوتا ہے اس کے لیے صرف مجتہد کی طرف سے راجح اور صحیح قول کا جاننا کافی نہیں بلکہ وہ اس قول کی واقعہ جزئیہ کی طرف تنزیل کا بھی محتاج ہے، جس کے لیے فہم صحیح اور ملکہ فقہیہ کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اور اجتہاد کی یہ قسم تا قیامت جاری رہے گی۔"

فقہ حنفی میں اجتہاد تنزیلی کے دو طرح کے اصول ہیں ایک وہ جنہیں ہم اصولِ افتاء سے تعبیر کرتے ہیں جن کو بروئے کار لاتے ہوئے مفتیانِ کرام روایتی دار الافتاء میں شرعی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ دوسرے وہ اصول ہیں جنہیں مفتی تقی صاحب نے مذکورہ بالا عبارت میں ملکہ فقہیہ سے تعبیر کیا ہے اور انکے ذریعے مجتہدین فی المذہب نے اپنی کتب میں جزئیات اور فروعات کو متفرع کیا اور ان سے استدلال کیا ہے۔ اور عصر حاضر میں بھی

[15] ابن قیم الجوزیة، محمد بن أبي بكر بن أيوب بن سعد شمس الدين، إعلام الموقعين عن رب العالمين (المتوفى: ۷۵۱ھ) تحقيق: طه عبد الرؤوف سعد، (مصر، القاهرة: مكتبة الكليات الأزهرية، ۱۹۶۸م)، ۱: ۸۸

[16] محمد تقی عثمانی، **اصول الافتاء وآدابہ**، (کراتشی، باکستان: مکتبہ معارف القرآن، ۲۰۱۵)، ۱۹۷

فقہاء کرام اجتماعی نوعیت کے مسائل مھمہ کو اہمیت کے پیشِ نظر بہت سے نئے اصولوں کو بروئے کار لائے ہیں، اور احکام کی تطبیق و تنزیل کا فریضہ سر انجام دے رہے ہیں۔ کیونکہ عصر حاضر میں نئی سیاسی، معاشی اور معاشرتی تبدیلیوں نے مسلمانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی پر بہت سے منفی اثرات مرتب کیے ہیں۔ پہلے کوئی تبدیلی صدیوں میں رونما ہوتی تھی، مگر گذشتہ دو سو سال میں سائنس و ٹیکنالوجی اور مواصلاتی نظام کے روز بروز ترقی کی بناء پر شھور وایام میں کئی تبدیلیاں آتی رہی ہیں اور یہ سلسلہ تاحال جاری ہے۔

گزشتہ ادوار میں احکام زندگی سے مربوط تھے زندگی میں تبدیلیاں ہوتی تھیں تو احکام کی تطبیقی صورتوں میں بھی فرق آتا تھا، اگرچہ اصول وہی ہوتے تھے جو ابتداء سے متعین تھے۔ زندگی ان اصولوں کے ساتھ جزئیات کی صورتوں میں اپنا راستہ بناتی جاتی اور یہ صورتیں احکامِ فقہ کی کتابوں میں مدون و مرتب ہوتی جاتی تھیں۔

موجودہ دور میں احکام کی تنزیل اور تطبیق گزشتہ ادوار سے متغیر نظر آتی ہے۔ چنانچہ کتب فقہ کے ذخیرے میں ہمیں بیسیوں تفصیلی جزئیات اور معاملات کی مختلف النوع تبدیلیوں کی صورتیں جابجا نظر آتی ہیں جن میں فقہاء کرام نے متقدمین سے بالکل مختلف فتوی دیا ہے۔

اس سلسلہ میں اجتہاد تنزیلی کے بہت سے نئے اصول وجود میں آئے ہیں، مثلاً معاصر اجتہاد تنزیلی میں لوگوں کی سہولت اور آسانی کے لیے متاخرین فقہاء کرام نے بہت سے مسائل میں شاذ اقوال پر فتویٰ دیا ہے، بعض معاشی مسائل کے حل کے لیے جائز حیلوں کو استعمال کیا گیا ہے، مقاصد شریعت کی رعایت کی گئی ہے، اسی طرح مسلم اقلیتوں کے فقہی مسائل کے حل کے لیے مکی دورِ سیرت سے رخصتوں کا استنباط کیا گیا ہے۔

ان دونوں قسم کے اصولوں میں مقاصدِ شریعت کے تحفظ کو اس انداز میں ملحوظ رکھا گیا ہے کہ شریعتِ اسلامیہ کی اصل روح بھی باقی رہے اور بندوں کے لیے شرعی احکام کی پابندی میں سہولت اور آسانی حاصل ہو۔

فقہ حنفی کے اصولِ افتاء جن کو ملحوظ رکھنا تنزیلِ احکام کے وقت ضروری ہے۔

اصول اول: فتویٰ صرف ایسے شخص کو دینا چاہیے جس نے فقہ کا علم ماہر اساتذہ سے حاصل کیا ہو، اور اس قدر مہارت کرلی ہو کہ فقہی احکام کے اصول، قواعد اور احکام کی علتوں سے واقف ہو، کتب معتبرہ و غیر معتبرہ کی تمیز کر سکتا ہو، کوئی شخص محض ذاتی مطالعہ کی بناء پر افتاء جیسی اہم اور نازک ذمہ داری کو سر انجام دینے کا اہل نہیں ہے۔ جب تک کہ ماہر فن اساتذہ کہ زیر سایہ فتویٰ سازی کی خوب مشق نہ کر لے۔

اصول ثانی: جب کسی مسئلہ کے بارے میں فقہاء احناف متقدمین ومتأخرین سے ایک ہی قول منقول ہو تو اسی کے مطابق فتویٰ دیا جائے گا۔

اصول ثالث: جب کسی مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ سے دو اقوال یا دو روایتیں منقول ہوں تو ایسی صورت میں بعد والے قول کے مطابق یا امام صاحب کے اختیار کردہ قول کے مطابق فتویٰ دیا جائیگا۔ اگر امام صاحب سے قول مختار معلوم نہ ہو سکے تو امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر، امام حسن بن زیاد کے اختیار کردہ اقوال پر بالترتیب عمل کیا جائے گا۔

اصول رابع: مفتی مقلد اس قول کے مطابق فتویٰ دے گا جس کو مشائخ حنفیہ کے اصحاب الترجیح نے راجح قرار دیا ہو، مرجوح اقوال کے مطابق فتویٰ نہ دے گا۔

اصول خامس: مفتی مقلد پر لازم ہے کہ وہ اپنے فقہی مذہب کی کتب معتبرہ پر ہی اعتماد کرکے فتویٰ دے کتب غیر معتبرہ میں منقول اقوال کے مطابق فتویٰ جاری نہ کرے۔

اصول سادس: اصحاب ترجیح کی طرف سے ترجیح کبھی صریح ہوتی ہے کبھی التزامی، جہاں ترجیح صریح نہ ہو تو التزامی پر عمل کیا جائے گا۔ اور جہاں ترجیح صریح موجود ہو تو اسے التزامی پر مقدم رکھا جائے گا۔

ترجیح صریح: اصحاب الترجیح کی جو ترجیح صریح الفاظ مثلا ھو الصحیح، ھو الاصح، بہ یفتیٰ، علیہ الفتویٰ، ھو المعتمد وغیرہ کے ساتھ ہو وہ ترجیح صریح کہلاتی ہے۔

ترجیح التزامی: یہ ترجیح صریح الفاظ کے ذریعے نہیں ہوتی بلکہ اس کا علم مصنف ومجتھد کے اسلوب وطرز سے ہوتا ہے۔ جا اس کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں اہم صورت درج ذیل ہے:

۱۔ قول راجح کو مرجوح اقوال سے پہلے لکھا جاتا ہے، جیسا کہ فتاویٰ قاضی خان میں قاضی خانؒ نے[17] اور صاحب ملتقیٰ البحر نے اپنی کتاب میں اس بات کا التزام کیا ہے کہ قول راجح کو مرجوح اقوال سے پہلے لکھتے ہیں[18]

اصول سابع: ترجیح کے الفاظ میں بعض الفاظ اقویٰ ہیں دوسرے الفاظ کے مقابلے میں لہٰذا اقوی الفاظ کے ساتھ ترجیح کو مقدم رکھا جائیگا۔ جن کی ترتیب باعتبار ترجیح درج ذیل ہے۔ ۱۔ علیہ عمل الامۃ ۲۔ علیہ الفتویٰ، وبہ یفتیٰ ۳۔ الفتویٰ علیہ ۴۔ ھو الصحیح ۵۔ الاصح ان کے علاوہ باقی تمام ترجیح کے الفاظ برابر ہیں۔

---

[17] مقدمۃ الفتاویٰ الخانیۃ علی ھامش الھندیۃ، ۱: ۲

[18] إبراھیم بن محمد بن إبراھیم الحَلَبي الحنفي المتوفی: ۹۵۶ھ، مجمع الأنھر في شرح ملتقی الأبحر، (لبنان، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۱۹ھ-۱۹۹۸م)، ۱: ۱۳

اصول ثامن: اگر کسی مسئلہ میں دو اقوال متعارض ہوں تو ان میں سے کسی ایک کو ترجیح دی جائے گی۔ اگر دونوں متعارض اقوال کی ترجیح ایک ہی مجتہد کی طرف سے ہو تو ترجیح متاخر پر عمل کیا جائے گا، اگر تاریخ معلوم نہ ہو سکے یا دونوں ترجیحات دو اشخاص کی طرف سے ہوں تو مفتی دونوں میں سے کسی ایک قول کو مرجحات کی روشنی میں ترجیح دے گا، اور اس کے مطابق فتویٰ جاری کرے گا۔

اصول تاسع: جب مختلف اقوال میں سے اصحاب الترجیح سے کسی ایک قول کی تصحیح منقول نہ تو اس قول پر عمل کیا جائے گا جو ظاہر الروایۃ میں سے ہو، جب دونوں روایتیں ظاہر الرویۃ میں سے ہوں تو زمانے کے اعتبار سے بعد والی روایت پر عمل کیا جائے گا۔

اصول عاشر: نصوص شرعیہ میں مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے۔ لیکن کتب فقہ کی عبارات میں مفہوم مخالف پر عمل درست ہے، بشرطیکہ مفہوم مخالف عباراتِ صریحہ سے معارض نہ ہو۔

اصول حادی عشر: روایات ضعیفہ اور مرجوح اقوال پر نہ عمل جائز ہے اور نہ ہی ان کے مطابق فتوی دیا جائے گا۔[19]

مذکورہ بالا اصولوں کو علامہ ابن العابدین شامی نے اپنی کتاب شرح عقود رسم المفتی میں فقہ حنفی اصول افتاء کے طور پر بیان کیا ہے۔

دراصل اجتہاد تنزیلی "اجتہاد فی المذہب" کی قبیل سے ہے یہ اجتہاد کی وہ قسم ہے جس میں مجتہد اپنے امام کے اصول و قواعد اور فروعات کا متبع ہوتا ہے اور لوگوں کی سہولت کے پیشِ نظر اقوال کے اختلاف کی صورت میں کسی بھی قول کو اختیار کر سکتا ہے۔

مصطفی احمد زرقاء تغیر احکام اور تنزیل احکام کے دیگر اصول و اسالیب کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: فالحقيقة أن الأحكام الشرعية التي تتبدل بتبدل الزمان مهما تغيرت فإن المبدأ الشرعي فيها واحد وهو إحقاق الحق وجلب المصالح ودرء المفاسد، وليس تبدل الأحكام إلا بتبدل الوسائل والأساليب الموصلة إلى غاية الشارع، فإن تلك الوسائل والأساليب في الغالب لم تحددها الشريعة الإسلامية بل تركتها مطلقة لكي يختار منها في كل زمان ما هو أصلح نتاجاً وأنجح

---

[19] محمد تقی عثمانی، **اصول الافتاء وآدابہ**، (کراتشی، باکستان: مکتبہ معارف القرآن، ۲۰۱۵)، ۱۷۷-۲۳۶

في التقويم علاجاً ''یعنی اگرچہ احکام شریعت زمانے کے بدلنے سے تبدیل ہوتے ہیں لیکن ان کا مبدأ شرعی ایک ہی رہتا ہے اور وہ حق کا اثبات، مصالح کا حصول اور مفاسد سے نجات ہے۔ دراصل احکام ان وسائل اور اسالیب کے بدلنے سے متغیر ہوتے ہیں جو شارع کی مراد تک پہنچاتے ہیں، شریعت اسلامیہ نے انہیں محدود کرنے کی بجائے مطلق چھوڑا ہے تاکہ ہر دور میں تطبیق احکام کے لیے موزوں وسائل واسالیب کو اختیار کیا جاسکے۔''[20]

مذکورہ اصولوں کے علاوہ بھی کچھ اصول ہیں جن کا مجتہد اور مفتی کو لحاظ کرنا چاہیے۔

فقہ حنفی میں اجتہاد تنزیلی کے دیگر اصول:

فقہ حنفی میں تنزیل احکام کے لیے، حیل، مرجوح اقوال، افتاء بمذہب الغیر، مقاصد شریعت کی رعایت، تشبہ بالکفار، عموم بلویٰ، اعتبار المآل، استحسان، استصحاب حال، اور سد ذرائع سے بھی کام لیا جاتا ہے۔ ان میں سے بعض کو استنباط احکام کے لیے ذیلی ماخذ کا درجہ بھی حاصل ہے تاہم زیادہ تر ان کو تنزیل احکام میں ہی بروئے کار لایا جاتا ہے۔ چنانچہ اصول افتاء کے بعد ان کا تعارف درج ذیل ہے:

احکام شرعیہ میں زمانے کی رعایت اور اس کی وجہ سے احکام کی تبدیلی:

فقہاء کرام کے ہاں یہ بات بہت معروف ہے ان الاحکام تتغیر بتغیر الزمان یعنی زمانے کے بدلنے سے احکام شرعیہ بدل جاتے ہیں۔ دراصل یہ اصول کلی نہیں ہے کہ تمام احکام شرعیہ زمانے کے بدلنے کے ساتھ بدل جاتے ہیں جیسا کہ بعض اباحیین گمان کرتے ہیں۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ بعض احکام زمانے کے بدلنے سے بدل جاتے ہیں اور یہ تغیر حکم درج ذیل وجوہات میں سے کسی ایک وجہ سے واقع ہوتا ہے۔

وجہ اول: حکم کسی علت کے ساتھ معلول ہو، زمانے کے بدلنے سے علت ختم ہو جائے تو حکم بھی بدل جاتا ہے۔

فقہاء کرام کے ہاں یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ حکم کا دارومدار علت پر ہوتا ہے، علت موجود ہو تو حکم بھی موجود ہو گا، علت معدوم تو حکم بھی معدوم ہو جائے گا۔ حکم کی علت کبھی دائمی ہوتی ہے جو کبھی منقطع نہیں ہوتی، ایسی صورت میں حکم کسی زمانے میں بھی متغیر نہیں ہوتا، جیسے زنا، چوری، شراب نوشی اور خنزیر کی حرمت اور کبھی علتِ حکم تبدیل ہو جاتی ہے یا ختم ہو جاتی ہے پس ایسی صورت میں حکم بھی تبدیل ہو جاتا ہے۔

---

[20] مصطفیٰ احمد الزرقا، **المدخل الفقهي العام**، (دمشق: دار القلم، ۲۰۰۴ء)، ۲: ۹۴۲

اس کی مثال فقہاء کرام نے یہ بیان کی ہے کھیتی کو سیر اب کرنے کے لیے پانی کی بیع ناجائز ہے۔ اور اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ پانی کی مقدار کا ضبط نہیں ہو سکتا لہذا مجھول المقدار کی بیع ناجائز ہے۔[21]

لیکن موجودہ دور میں ایسے بہت سے پیمانے ہیں جن کی مدد سے پانی کی مقدار کا تعین ممکن ہے پس جہالت مبیع کی علت ختم ہو گئی لہذا اب کھیتی کو سیر اب کرنے کے لیے پانی کی بیع جائز ہے۔

وجہ ثانی: حکم اگر عرف ورواج پر مبنی ہو، عرف ورواج کے بدلنے سے حکم بھی بدل جائے گا۔

وجہ ثالث: حکم شرعی ضرورۃ شدیدۃ اور عموم بلویٰ کی وجہ سے بھی بدل جاتا ہے لیکن یہ تغیر بقدر ضرورت ہوتا ہے۔

وجہ رابع: بعض مرتبہ حکم شرعی سد ذرائع کی بنیاد پر متغیر ہو جاتا ہے۔[22]

تغیر احکام کے بارے میں علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں: أعلم أن المتأخرين الذين خالفوا النصوص في كتب المذاهب في المسائل لم يخالفوها إلا لتغير الزمان والعرف، وعلمهم أن صاحب المذهب لو كان في زمانهم لقال بما قالوه ... فلا بد للحاكم والمفتي من نظر سديد واشتغال مديد ومعرفة بالأحكام الشرعية والشروط المرعية[23]

"یعنی متاخرین نے مجتھدین فی المذھب کی نصوص میں بہت سے مسائل کے بارے میں اختلاف کیا ہے تغیر زمان اور عرف کی وجہ سے، اگر صاحب مذھب ان کے زمانہ میں ہوتا تو وہ بھی وہی قول اختیار کرتا جو انہوں نے اختیار کیا ہے۔"

تنزیل احکام میں حیلوں کا استعمال:

حیلہ کا مفہوم: فقہاء کرام کی اصطلاح میں حیلہ اس عمل مخصوص کو کہتے ہیں جس کے ذریعے فاعل (حیلہ کرنے والا) معروف طریق کو چھوڑ کر غیر معروف راستہ اختیار کرلیتا ہے۔ پھر حیلہ کا استعمال اس معنی میں معروف ہو گیا کہ حیلہ ایسے پوشیدہ طریقوں کو اختیار کرنے کو کہتے ہیں کہ جن کے ذریعے مقصد تک رسائی ممکن ہو

---

[21] کمال الدین محمد بن عبد الواحد السیواسی المعروف بابن الھمام فتح القدیر، دار الفکر، ۶: ۲۶۵

[22] **اصول الافتاء وآدابہ**، ۲۸۵

[23] شامی، ابن عابدین، محمد أمین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الدمشقي الحنفي مجموعہ رسائل ابن عابدین، نشر العرف، ۲: ۱۲۸

جائے اور وہ طریقے ایسے مخفی اور پوشیدہ ہوں کہ ایک خاص قسم کا ملکہ و مہارت اور بصیرت ان کے ادراک کے لیے بروئے کار لائی جائے۔[24]

عام طور پر حیلوں کے استعمال کو معیوب سمجھا جاتا ہے فقہ حنفی میں نہ تو حیلوں کا استعمال علی الاطلاق جائز ہے اور نہ ہی مطلقاً ممنوع ہے بلکہ فقہاءِ احناف کے ہاں حیلہ کی دو اقسام ہیں۔

حیلہ مکروہہ: ایسا حیلہ جو کسی کا حق باطل کرنے کے لیے یا اس میں شبہ ڈالنے کے لیے یا باطل کی ملمع سازی کر کے اس کو حق ظاہر کرنے کے لیے کیا جائے، ایسا حیلہ شرعاً مکروہ تحریمی اور گناہ ہے۔

حیلہ حسنہ: ایسا حیلہ جو حرام سے بچنے کے لیے یا حلال کو حاصل کرنے کے لیے اختیار کیا جائے، اس قسم کا حیلہ بلاشبہ جائز بلکہ مستحسن و مطلوب ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں[25]

تنزیل احکام میں جائز حیلوں کے استعمال کے نظائر:

دوران تطبیق و تنزیل جائز حیلوں سے استدلال کی کثیر جزئیات فتاویٰ جات میں موجود ہیں:

۱۔ فتاویٰ تنقیح الحامدیہ میں ہے ایک شخص کا دوسرے کے ذمے دس درہم دین تھا، اب وہ چاہتا ہے کہ ایک اجل یعنی مدت مقررہ تک مہلت دے کر ۱۰ کی بجائے ۱۳ درہم وصول کرے تو اس کے لیے حیلہ یہ بتایا گیا ہے کہ وہ مدیون سے کوئی چیز اس دس درہم کے عوض ایک سال کی مدت تک مہلت کے ساتھ مدیون کے ہاتھ (بطور مرابحہ مؤجلہ) بیچ دے تو اس طرح حرام سے بچ جائے گا۔[26]

تنزیل احکام میں عرف ورواج کی رعایت:

دین کی تعبیرات ہر دور میں مختلف رہی ہیں، دین کا کوئی ایسا حکم جو کسی وقت میں ممنوع ہو، عین وہی حکم کسی دوسرے عہد میں مباح بلکہ مستحب ٹھہر تا ہے، یہ تو دو عہدوں کی بات ہے بسا اوقات ایک ہی عہد میں، کسی ایک علاقے میں ایک حکم ممنوع اور دوسرے علاقے میں جائز ٹھہر تا ہے۔ یہ امر باعث حیرت نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اللہ

---

[24] ابن قیم، محمد بن أبي بکر بن أیوب بن سعد شمس الدین جوزی، **اعلام الموقعین عن رب العالمین** تحقیق: محمد عبد السلام ابراھیم، (بیروت: دار الکتب العلمیة، ۱۴۱۱ھ-۱۹۹۱م)، ۳: ۱۸۸

[25] السرخسي، شمس الأئمة، محمد بن أحمد بن أبي سهل المبسوط، (بیروت: دار المعرفة، ۱۴۱۴ھ-۱۹۹۳م)، ۳۰: ۲۱۰؛ الفتاوی الھندیة، لجنة علماء برئاسة نظام الدین البلخي، (دار الفکر، ۱۳۱۰ھ)، ۶ : ۳۹۰

[26] السَّيِّدُ مُحَمَّد أَمِين بْنِ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ أَحْمَدَ بْنِ عَبْدِ الرَّحِيمِ تنقیح الفتاوی الحامدیة، ۶: ۴۱۷

تعالیٰ نے شرائع کے نزول میں سوسائٹی کے مالوفات اور عرف ورواج کا خیال رکھا ہے ۔ عرف اور عادت کی تعریف کرتے ہوئے علامہ ابن عابدین شامی تحریر کرتے ہیں کہا:لعادۃ عبارۃ عما یستقر فی النفوس من الامور المتکررۃ المعقولۃ عندالطبائع السلیمۃ [27] "عرف اور عادت ایسا امر ہے جو لوگوں کے اذہان میں پیوست ہو جائے اور طبائع سلیمہ اسے قبول کرلیں اور اس کا تعلق بار بار پیش آنے والے امور عقلیہ سے ہو۔ بالفاظ دیگر عرف اور عادۃ کسی قوم یاعلاقہ کے لوگوں کا ایسا قول یا عمل ہے جو تعامل اور رواج کا درجہ اختیار کرلے عقل سلیم جس کی تائید کرے اور طبائع سلیمہ اسے قبول کرلیں۔

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں کہ: لیس للمفتی ولا القاضی ان یحکما علی ظاھر المذھب ویترکا العرف [28]

معاصر اصولیین فقہ نے "عرف" کی تعریف کو مزید جامع بناتے ہوئے درج ذیل الفاظ میں تعریف کی ہے:العرف ماتعارفہ جمہور الناس وساروا علیہ سواء کان قولاً اوفعلاً اوترکاً "عرف ایسا امر ہے جو لوگوں کے ہاں بطور رواج مشہور و معروف ہو جائے اور لوگوں کی اکثریت اس کو اپنا معمول بنالیں؛خواہ وہ قول ہو یا عمل یا ترکِ قول و عمل کی قبیل سے ہو۔"

جبکہ امام ابن عابدین شامی ان دونوں میں فرق کو بیان کرتے کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:العادۃ والعرف بمعنی واحد من حیث المصداق وان اختلفا من المفہوم"عادۃ اور عرف مصداق کے اعتبار سے ایک ہی معنی میں مستعمل ہیں اگرچہ دونوں کا مفہوم الگ ہے۔"[29]

مثالیں:

۱۔رائج الوقت سکہ کا اعتبار ۲۔ تعلیم القرآن پر اجارہ کا جواز [30]

---

[27] **رسائل ابن عابدین شامی**، ۲ : ۱۱۴

[28] ایضاً

[29] ایضاً

[30] مجموعہ رسائل ابن عابدین شامی، **شفاء العلیل**، ۱: ۱۵۴

فقہاء کرام نے عرف کی دو اقسام بیان کی ہیں:

قسم اول۔ **عرف صحیح:** ایسا عرف جس کا دلائل شرعیہ کیساتھ کوئی تعارض نہ ہو باالفاظ دیگر ایسا عرف جو نصوص شرعیہ کے مخالف نہ ہو بایں صورت کہ کسی امر ضروری کو باطل نہ کرے اور نہ کسی ممنوع کام کو مباح قرار دے۔

قسم ثانی: عرف فاسد: ایسا عرف جو لوگوں اور معاشرہ میں رواج پا گیا ہو لیکن وہ شریعت سے متصادم اور دلائل شرعیہ کے اس طرح مخالف ہو کہ امر واجب کو باطل کرے اور حرام کو مباح قرار دے۔[31]

عرف فاسد کی مثالیں:

ا۔ اگر لوگوں میں جوئے کا رواج ہو جائے تو اس کی وجہ سے اس کو مباح قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ یہ دلائل شریعت کے خلاف ہے۔

۲۔ تقریبات وغیرہ میں خواتین کے بے پردہ شرکت کرنے اور مردوں کے ساتھ اختلاط کا رواج عام ہو چکا ہے لیکن اس کی وجہ سے اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی کیونکہ یہ دلائل شرعیہ کے خلاف ہے۔

عرف فاسد متروک العمل ہے اس کے ذریعہ احکام کی تطبیق اور تنزیل جائز نہیں ہے۔ عرف صحیح تنزیل احکام میں فقہاء کرام کے ہاں معتبر ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں: ا۔ عرف عام ۲۔ عرف خاص

عرف عام کی تعریف:

ایسا عرف جس کو لوگوں نے بطور رواج اپنا لیا ہو اور عوام الناس کا اس پر تعامل ہو چکا ہو ہر خاص و عام میں اس قدر اس کا تعارف ہو کہ وہ عام ہو گیا ہو کسی خاص قوم یا علاقہ کے افراد کے ساتھ مختص نہ رہا ہو وہ عرف عام کہلاتا ہے۔

عرف خاص کی تعریف:

ایسا عرف ہے جو کسی خاص شعبہ یا فن سے وابستہ افراد یا خاص علاقے کے افراد کا عرف ہو اور انہی کے ہاں وہ رائج اور متعارف ہو اگرچہ عرف عام کی بہ نسبت عرف خاص قوت میں کم تر ہے لیکن باوجود اس کے تنزیل احکام پر اس کے اثرات مرتب ہوتے ہیں جس کا اظہار اس کے خلاف نص نہ ہونے کی صورت میں ہوتا ہے۔[32]

---

[31] اصول مذہب الامام احمد بن حنبل: ۵۲۶؛ ابی زہرہ، محمد اصول الفقہ، دار لفکر العربی، ۲۷۴

[32] اصول الفقہ لابی زہرہ: ۲۱۷ مجموعہ رسائل ابن عابدین: ۲: ۱۱۴

تنزیل احکام میں دونوں کا استعمال اور ان کے درمیان فرق:

۱۔ عرف عام سے جو حکم ثابت ہو گا وہ تمام شہروں کے لوگوں کے لیے عام ہو گا سب پر اس کی پابندی لازم ہو گی جب کہ عرف خاص سے ثابت ہونے والا حکم انہیں لوگوں کے لئے خاص ہو گا جن کا وہ عرف ہے۔[33]

۲۔ اگر عرف عام نص قطعی سے متعارض ہو تو اس کی وجہ سے نص میں تخصیص جائز نہیں ہے۔ لیکن اگر قیاس سے متعارض ہو تو اس کی وجہ سے قیاس میں تبدیلی جائز ہے۔ اور عرف خاص کے ذریعے قیاس میں تبدیلی کے بارے میں میں اختلاف ہے راجح قول کے مطابق قیاس میں تبدیلی جائز ہے۔

۳۔ اگر عرف عام یا خاص متقدمین فقہاء کی آراء سے متعارض ہو تو عرف پر عمل کیا جائے گا اور متقدمین کی آراء کے خلاف فتوی دیا جائے گا۔[34]

۴۔ ایک اہم فرق یہ ہے کہ اگر نص شرعی اور عرف عام میں تعارض واقع ہو تو عرف عام کے ذریعے اثر کی تخصیص درست ہے اس کی مثال عقد استصناع کا جواز ہے۔

لیکن اگر عرف خاص اور نص شرعی میں تعارض واقع ہو تو عرف خاص کی وجہ سے اثر میں تخصیص ہو گی یا نہیں؟ اس بارے میں دونوں طرح کی آراء موجود ہیں۔ راجح قول یہ ہے کہ عرف خاص کے ذریعے اثر کی تخصیص درست نہیں ہے۔[35]

تنزیل احکام کے وقت نتائج کی رعایت:

فقہاء کرام واقعات اور جزئیات پر احکام کی تنزیل کے دوران حکم صادر ہونے اور اس کے نفاذ کے بعد مرتب ہونے والے نتائج کا خاص طور سے لحاظ رکھتے ہیں۔ چنانچہ اگر نتیجہ بھلائی اور مصلحت کی صورت میں مرتب ہو تو اسکے مطابق حکم کی تنزیل کرتے ہیں لیکن اگر نتیجہ فساد اور شر کی صورت میں مرتب ہو تو ایسا حکم لگاتے ہیں جس میں فساد اور شر نہ ہو۔ فقہی اصطلاح میں اس کو اعتبار المال سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

---

[33] مجموعہ رسائل ابن عابدین، ۲: ۱۳۲

[34] ابن نجیم، شیخ زین العابدین عمر بن ابراہیم، الاشباہ والنظائر، (بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیۃ)، ۱: ۱۰۲

[35] رسائل ابنِ عابدین، ۲: ۱۳۲

اعتبار المال کی تعریف: متقدمین اصولیین وفقہاء کرام نے مآل کی تعریف تو بیان نہیں کی البتہ انہوں نے بہت سے مسائل کی تنزیل کے دوران اعتبار المال کا خیال رکھا ہے۔ جیسا کہ امام سرخسی اپنی کتاب اصول سرخسی میں مسئلہ قصاص سے متعلق لکھتے ہیں:

والقتل اسم لفعل یکون مؤثرا فی ازھاق الروح وانما یتعین ذالك باعتبار المال و لهذا یعتبر فی الجنایات مالها حتیٰ اذا قطع ید امرأة او ید رجل من نصف الساعد لم یکن علیه القصاص[36]

معاصر فقہا کرام نے مٰال کی مختلف تعریفات بیان کی ہیں جن میں سب سے جامع تعریف الدکتور محمود حامد عثمان نے بیان کی ہے چنانچہ رقمطراز ہیں:

المراد با لمٰال، اثر الفعل المرتب علیه سواء ا کان هذا الاخیر خیرا او شرا، وسواء اکان مقصود الفاعل الفعل ام کان غیر مقصوده[37]

مال سے مراد فعل کا وہ اثر جو اس پر مرتب ہو خواہ اس کا انجام خیر ہو یا شر، فاعل نے اس کا ارادہ کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

تنزیل احکام میں شذوذ اور افتاء بمذہب الغیر کی رعایت اور نظائر:

فقہاء اربعہ کے مذاہب شریعت اسلامیہ کی مختلف مستند تشریحات ہیں ایک ہی وقت میں سب پر عمل بوجوہ ممکن نہیں ہے کیونکہ ایسا کرنے سے شرعی پابندیوں میں بے پرواہی، آزادی اور اتباع ھویٰ کا امکان پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے عام حالات میں ایک ہی مذہب کی تفصیلات پر عمل پیرا ہونے کو لازم قرار دیا گیا ہے تاکہ بے احتیاطی اور خواہش نفس کی پیروی لازم نہ آئے۔

لیکن خاص حالات میں اگر کسی ایک امام کے مذہب پر عمل کرنے میں کوئی ایسی تنگی اور حرج محسوس ہو جس کا دور کرنا ضروری ہو تو دوسرے مذاہب کے اقوال پر فتوی دے کر اس حرج کو دور کیا جا سکتا ہے۔

جیسا کہ عصر حاضر میں معاشرت، تجارت اور سیاست میں نت نئی تبدیلیوں اور سائنس اور ٹیکنالوجی کی روز بروز ترقی نے بہت سے ایسے مسائل پیدا کر دیئے ہیں جن کے شرعی حل کے لیے فقہاء کرام نے دوسرے

---

[36] **المبسوط**، ۲۶: ۱۴۸

[37] محمود حامد عثمان، الدکتور، **قاعدۃ سد الذرائع واثرھا فی فقہ الاسلامی**، دار الحدیث، ۲۰۰۱ء، ۲۱۱

مذھب کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔ لیکن اس کے لیے فقہاء کرام نے کچھ شرائط اور قواعد مقرر کیے ہیں جن کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

افتاء بمذہب الغیر کی شرائط و قواعد:

شرط اول: یہ ہے کہ عمل وفتوی بمذھب الغیر کسی ضرورت شدیدہ کی بناپر ہو اور وہ ضرورت اپنے مذہب میں پوری نہ ہوسکتی ہو۔ عمل بمذھب الغیر تشہی اور اتباع ہوس کے لیے نہ ہو۔ ابن تیمیہ نے اس شرط پر امت کا اتفاق نقل کیا ہے۔

شرط ثانی: دوسری شرط یہ ہے کہ افتاء بمذھب الغیر میں حکم واحد کے اندر تلفیق لازم نہ آئے، ورنہ افتاء بمذھب الغیر جائز نہیں۔[38]

شرط ثالث: تیسری شرط یہ ہے کہ مذہب غیر پر عمل کے لیے اجتھاد یامسائل میں بصیرت تامہ ہو، عامی کے لیے خروج عن المذھب جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں کہ لَيْسَ لِلْعَامِّيِّ أَنْ يَتَحَوَّلَ مِنْ مَذْهَبٍ إِلَى مَذْهَبٍ[39]

شرط رابع؛ چوتھی شرط افتاء بمذھب الغیر کی یہ ہے کہ ضرورت کی تشخیص اور مسئلہ کی مذہب غیر پر تخریج میں زیادہ سے زیادہ اہل افتاء کی رائے شامل ہو، انفرادی طور پر مذھب غیر پر فتویٰ دینا خلافِ احتیاط ہے۔[40]

افتاء بمذحب الغیر کے نظائر: اجرت علی الطاعات کی فقہ حنفی میں بالکل اجازت نہیں تھی، سب سے پہلے ائمہ شوافع کے قول پر عمل کرتے ہوئے محض تعلیم القرآن پر تنخواہ لینے کا قول اختیار کیا گیا، پھر رفتہ رفتہ حالات کی تبدیلی سے حکم بدلتا گیا اس کے بعد بتدریج دوسرے بہت سے امور دین کی اجرت کے جواز کا فتویٰ دیا گیا۔ چنانچہ اب تعلیم قرآن، امامت، اذان، تعلیم فقہ حتی کہ وعظ و نصیحت اور خطابت کی اجرت کو بھی جائز قرار دیا گیا ہے۔[41]

شاذ اور مرجوح اقوال سے استدلال: کسی مجتہد فیہ مسئلہ میں مختلف اقوال میں سے جن اقوال کو کسی دلیل کی بناء پر متروک العمل قرار دے کر چھوڑ دیا گیا نہ ان کے مطابق عمل کیا گیا اور نہ فتوی دیا گیا وہ شاذ اور مرجوح

---

[38] تھانوی، مولانا اشرف علی، **الحیلۃ الناجزۃ**، (انڈیا: مکتبہ رضی دیوبند، ۲۰۰۵ء) ، ۳۵۔۳۸

[39] شامی، ابن عابدین، محمد آمین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الدمشقي الحنفي، **ردالمحتار علی الدر المختار**، (بیروت: دار الفکر، ۱۹۹۲ء)، ۵: ۴۸۱

[40] غیر سودی اسلامی بینکاری، **رفقاء دار الافتاء والارشاد**، (کراچی: مکتبہ الحجاز)، ۴۰

[41] مجموعہ رسائل ابن عابدین شامی، **شفاء العلیل**، ۱: ۱۵۴

اقوال کہلاتے ہیں۔ متأخرین کے ہاں احکام فقہیہ میں تطبیقی تبدیلیوں کی وجہ سے بہت سے مسائل میں شاذ اور مرجوح اقوال سے بھی استدلال کیا گیا ہے۔

تنزیل احکام میں استصحاب کی رعایت:

احناف فقہاء کرام کی کتب فقہ وکتب فتاواجات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ ثلاثہ کی طرح فقہ حنفی میں بھی احکام کے انطباق کے لیے استصحاب کی رعایت کی گئی ہے اور بہت سی جزئیات میں استصحاب سے ہی استدلال کیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ فقہ حنفی میں بہت سے مشہور قواعد کلیہ کی بنیاد استصحاب ہی ہے۔

استصحاب کی تعریف: کسی حکم کو موجودہ حالت پر برقرار رکھنے کو اصول فقہ کی اصطلاح میں میں استصحاب کہا جاتا ہے۔بہت سے فقہاء کرام نے استصحاب کی مختلف تعریفیں بیان کی ہیں ہیں جن میں سے اہم تعریفات درج ذیل ہیں:

''کشف الاسرار" میں ہے: وَالْحُكْمُ بِثُبُوتِ أَمْرٍفِي الزمان الثاني بناء على أنه كان ثابتا في الزمان الأول''

''کسی امر کے ثبوت کا حکم دوسرے زمانے میں لگانا اس بنیاد پر کہ وہ امر پہلے زمانے میں ثابت تھا۔''

اسی طرح علامہ قرافی استصحاب کے مفہوم کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ومعناه ان ماثبت فى الزمان الماضى فاصل بقاء فى الزمن المستقبل''[42]

''استصحاب کا مفہوم یہ ہے کہ جو چیز گزشتہ زمانہ میں ثابت تھی اس کے ثبوت کو زمانہ مستقبل میں بھی برقرار رکھنا اصل ضابطہ ہے۔''

ان تعریفوں کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی حکم یا چیز کا ثبوت یا عدم ثبوت زمانہ ماضی میں ہو تو موجودہ زمانہ میں اور مستقبل میں اس کو سابقہ حالت پر ہی برقرار رکھا جائے گا یہاں تک کہ اس کے خلاف کوئی دلیل قائم ہو جائے جو اس حکم کو بدل دے۔

[42] الزركشي، أبو عبد الله بدر الدين محمد بن عبد الله بن بهادر ، **البحر المحيط في اصول الفقه**، استصحاب الحال، ۸: ۱۳

استصحاب کی مثال:

فقہی اعتبار سے پانی کی اصل یہ ہے کہ وہ خود پاک ہے اور نجس چیزوں کو پاک کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے جب تک کہ اس کے تین اوصاف رنگ، ذائقہ اور بو تبدیل نہ ہوں لہٰذا جب تک وہ اپنی اصل حالت پر باقی ہے وہ طاہر اور مطہر ہی برقرار رہے گا۔ جب تک کے رنگ، بو اور ذائقے کا تبدیل ہونا یا کسی نجس چیز کا پانی میں واقع ہونا اس کے ناپاک ہونے کی دلیل نہ بن جائے اس پانی کو اس کی اصل پر استصحاب حال کی وجہ سے پاک ہی برقرار رکھا جائے گا۔[43]

سد ذرائع:

سد کا لغوی معنیٰ ہے بند کرنا، روکنا اور ذرائع جمع ہے ذریعہ کی ذریعہ کہتے ہیں کسی چیز تک پہنچانے کا وسیلہ یا سبب۔ سد لغت میں بند کرنے کو کہتے ہیں اور ذریعہ لغت میں کسی چیز تک پہونچانے والے وسیلہ کو کہتے ہیں۔ شیخ ابوزہرہ اپنی کتاب "اصول الفقہ" میں ذرائع کی تعریف کے بارے میں رقمطراز ہیں:

''والذرائع فی لغة الشرعین مایکون طریقاً للمحرم أو للمحل''[44]

''ذرائع اصولیین شریعت کی لغت میں میں ایسے طریقے کو کہتے ہیں جو کسی حلال یا حرام فعل تک رسائی کا ذریعہ ہو۔''

سد ذرائع کا مفہوم: یہ ہے کہ مکلف کو کسی ایسے عمل سے منع کرنا جو کسی حرام تک رسائی کا سبب بنے اگرچہ وہ کام فی نفسہ مباح ہو کیونکہ وہ مفضی الی الحرام ہے اس لئے اسے بھی ممنوع و محظور قرار دیا جائے گا البتہ اگر کوئی عمل کسی حرام کام کا ذریعہ نہ بنے تو وہ اپنی اصل پر باقی رہے گا اور اس کو مکلف کے لئے مباح قرار دیا جائے۔

سد ذرائع کے تنزیل احکام پر اثرات سے متعلق احناف اور مالکیہ کا موقف:

سد ذرائع کے ہر زمانہ میں تنزیل احکام پر اثرات مرتب ہوئے ہیں ہیں فقہ مالکی میں سد ذرائع کو بہت اہمیت حاصل رہی ہے اسی اہمیت کے پیش نظر سد ذرائع کو فقہ مالکی کے ذیلی مآخذ شریعت میں شمار کیا جاتا ہے جب کہ فقہ حنفی میں بھی سد ذرائع کی رعایت تنزیل احکام کے وقت کی جاتی ہے چنانچہ اس بارے میں احناف اور مالکیہ کا مطمح نظر

---

[43] اصول الفقہ لابی زہرہ:۲۹۸

[44] اصول الفقہ لابی زہرہ:۲۸۸

ایک ہی ہے چنانچہ اس بارے میں اصول یہ ہے کہ سب سے پہلے دیکھا جائے گا کہ کہ وہ امر شعائر اسلام اور مقاصد شریعت میں سے ہے یا نہیں اگر وہ شعائر اسلام اور مقاصد شریعت میں سے ہو تو قطعاً اس امر کے ترک کرنے کا حکم نہیں لگا سکتے بلکہ اس کی وجہ سے سے آنے والے محظورات و منکرات کی اصلاح اور ازالہ کی تدبیر کو لازمی قرار دیا جائے گا جیسا کہ علامہ کاسانی نے اس کی مثالیں بیان کی ہیں جو درج ذیل ہیں۔

ا۔ أَنَّ إِجَابَةَ الدَّعْوَةِ مَسْنُونَةٌ وَلَا تُتْرَكُ السُّنَّةُ لِمَعْصِيَةٍ تُوجَدُ مِنْ الْغَيْرِ دعوت کو قبول کرنا مسنون عمل ہے ہے کسی معصیت یا مکروہ کام کی وجہ سے سے جو کہ غیر کی طرف سے ہو اس سنت عمل کو ترک نہیں کیا جائے گا۔

۲۔ أَنَّهُ لَا يُتْرَكُ تَشْيِيعُ الْجِنَازَةِ وَشُهُودُ الْمَأْتَمِ وَإِنْ كَانَ هُنَاكَ مَعْصِيَةٌ مِنْ النِّيَاحَةِ وَشَقِّ الْجُيُوبِ وَنَحْوِ ذَلِكَ[45]

"میت پر نوحہ کرنے والی خواتین کی وجہ سے سے نماز جنازہ میں شرکت سے روکا نہیں جا سکتا۔"

مذکورہ صورتوں میں اگر وہ برائی کو روکنے پر قادر ہے تو روک دے ورنہ صبر کرے البتہ مذکورہ صورتوں میں شرکت کی اجازت عوام کے لیے ہے مقتدی یا امام کے لیے بہتر ہے شرکت نہ کرے۔

اگر وہ عمل شعائر اسلام یا مقاصد شریعت میں سے نہ ہو خواہ مباح ہو یا مستحب لیکن وہ کسی حرام کام کا ذریعہ بنے یا عام طور پر منکرات کی طرف لے جاتا ہو تو اس کو ممنوع اور مکروہ قرار دیا جائے گا اگرچہ بعض صورتوں میں وہ منکرات سے خالی بھی ہو یہ حکم سد ذرائع کے اصول کی بنا پر لگایا جائے گا۔ اس کی مثالیں درج ذیل ہیں:

ا۔ سجدہ کرنا ایک مستحب عمل ہے لیکن اگر کوئی امام نماز کے بعد لازمی طور پر سجدہ کرے تو اسکے اس عمل کو مکروہ قرار دیا جائے گا کیونکہ اس کی وجہ سے ناواقف لوگ نماز کے بعد بعد سجدہ کو لازمی سمجھنے لگیں گے۔

۲۔ امام ابو حنیفہ نے اشعار ہدی (قربانی کے اونٹ کی کوہان کے دائیں طرف نیزے سے زخم لگا کر نشان زدہ کر دینا تاکہ اس علامت کی وجہ سے راستہ میں ڈاکوؤں سے محفوظ رہے) کو مکروہ قرار دیا ہے اگرچہ یہ عمل منقول ہے

---

[45] كاساني، علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد، **بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع**، (دار الكتب العلمية)، ۵: ۱۲۸

کیونکہ لوگ اس میں افراط سے کام لینے لگ گئے تھے اور یہ عمل شعائر اسلام اور مقاصد شریعت میں داخل نہیں ہے اس لئے سد ذرائع کے طور پر اس کو مکروہ قرار دیا گیا ہے۔[46]

خلاصہ بحث:

یہ ہے کہ حکم شرعی کو واقعہ معینہ یا جزئی واقعات پر ایسے طریقے سے منطبق کرنے اور مرتب کرنے کے لیے مقدور بھر کوشش، جس سے مقاصدِ شریعت کا تحفظ اور تحقق ہو، اجتہاد تنزیلی کہلاتا ہے۔ فقہ حنفی میں اجتہاد تنزیلی کے دو طرح کے اصول ہیں ایک وہ جنہیں ہم اصولِ افتاء سے تعبیر کرتے ہیں جنکو بروئے کار لاتے ہوئے مفتیانِ کرام روایتی دار الافتاء میں شرعی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ دوسرے وہ اصول ہیں جن کے ذریعے مجتہدین فی المذہب نے اپنی کتب میں جزئیات اور فروعات کو متفرع کیا اور ان سے استدلال کیا ہے۔ اور عصر حاضر میں بھی فقہاء کرام نے بہت سے مسائل مھمہ میں متقدمین سے انہی اصولوں سے استدلال کرتے ہوئے اختلاف کیا ہے بہت سے تنزیل احکام نئے اصولوں کو بھی متعارف کروایا ہے، ان دونوں اقسام کے اصولوں میں غور وخوض سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہ حنفی میں تنزیل احکام کے اصول وضوابط میں مصالح الناس اور مقاصد شریعت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

---

[46] مفتی محمد شفیع، **دلائل القرآن علی مسائل النعمان احکام القرآن**، (ادارہ اشرف التحقیق، ۱۴۲۳ھ)، ۳: ۲۵۳۔۲۵۶